خاموش سازشیں



نور

عمران سیریز ناول

خاموش سازشیں

نورین خان

عمران سیریز ناول۔ خاموش سازشیں

عمران جنوری کے یخ بستہ ٹھٹرتی دنوں میں بور ہو رہا تھا۔
سرد ہوائیں اس کے چہرے پر شدید اثر ڈال رہی تھیں اور اس کے کمرے کی کھڑکیاں بھی اس سردی کی شدت کو کم نہ کر پاتی تھیں۔
وہ اپنی کرسی پر آہستہ آہستہ جھول رہا تھا، جیسے کہ اس کا دل بھی ٹھٹھرا ہوا ہو۔
اسے ہمیشہ سے سردیوں میں ایک عجیب سی بے چینی محسوس ہوتی تھی، اور آج کل وہ اس سے زیادہ کسی چیز سے لڑ رہا تھا—
اپنی زندگی میں فارغ وقت سے اسے فضول میں وقت گزارنے کی عادت بالکل بھی پسند نہیں تھی۔
اس کے ہاتھ میں کتاب تھی، لیکن وہ اسے پڑھنے میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔
کتاب کے صفحات جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلا سے گئے ہوں۔
وہ اس سرد ماحول میں اپنی موجودگی کو محسوس کر رہا تھا، مگر دل و دماغ کہیں اور تھا، بہت دور، ایک پرانے راز کی گہرائیوں میں غوطہ زن تھے۔
وہ جانتا تھا کہ وہ جو کچھ بھی محسوس کر رہا ہے، وہ صرف اس کے اندر کی آواز ہے کہ اب کسی کو تنگ کیا جائے۔
صاحب میں کب سے آپکو دیکھ رہا ہوں یہ الٹی سیدھی حرکات بند کریں اسے سلیمان کی آواز سنائی دی۔
کتاب رکھ دیجئے اور ماضی کے کھنڈرات سے نکل آیئے پرانے سارے کیس بمعہ بدمعاشوں حل ہو چکے ہیں۔
عمران کی زندگی میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اب ایک ماضی کے کھنڈرات میں رہ رہا تھا، جس پر اسے فخر تھا نہ غرور تھا۔
وہ جانتا تھا کہ اس کے راستے پر ایک دن حقیقت کا پردہ اٹھے گا، اور وہ دن آج یا کل آنا ہی تھا۔
سلیمان پاشا عمران کے لیے مزے مزے کے کھانے بنا رہا تھا، اور اس کے ہاتھوں میں ماہر شیف کی مہارت کا جادو تھا۔
توا میں سوں سوں کی آواز آ رہی تھی اور چمچوں کی کھنک نے پورے کچن کو ایک خوشبودار ماحول میں بدل دیا تھا۔
سلیمان پاشا کے ہاتھوں میں وہ جادو تھا جو کھانے کو ذائقے کا ایک نیا منظر دے دیتا تھا۔
اس نے بڑی محبت سے عمران کے پسندیدہ پکوان تیار کیے تھے،
اور وہ جانتا تھا کہ آج کا دن کچھ خاص ہے، شاید عمران کی دل کی دنیا میں کچھ تبدیلی آ جائے۔
صاحب آج کل اس کلموہی کے فون بھی نہیں آتے۔
کونسی کلموہی، تلموہی۔۔۔؟
جناب وہی لڑکی جو آپکو ٹیلی فون پہ تنگ کرتی رہتی ہیں۔
اچھا وہ نانجار اسکے پاس کوئی کام جو نہیں۔
اسی دوران، صفدر اور جوزف بھی آ گئے، اور ان کی آمد نے کمرے میں ہنسی مذاق کا رنگ اور خوش گوار ماحول سا بنا دیا۔
صفدر، جو ہمیشہ سے کچھ عجیب و غریب سوالات کرتا رہتا تھا،
ہمیشہ سلیمان کو تنگ کرتا رہتا تھا جوزف کے ساتھ اندر داخل ہوا اور فوراً سلیمان پاشا سے پوچھا، " آج کیا پکایا ہے؟
کچھ نیا ہے یا وہی پرانا؟" جوزف نے ہنستے ہوئے کہا، "صفدر بھائی، کچھ تو نیا ہونا چاہیے، ورنہ ہم دونوں ہمیشہ سلیمان پاشا کی دسترخوان سے بور ہو جائیں گے۔"
سلیمان نے مسکرا کر کہا، " آج کچھ خاص بنایا ہے، عمران صاحب کے لیے۔
" پھر اس نے کچن سے کھانے کی خوشبو کا تعارف کھانوں کی مہک کے ذریعے کرایا، " آج میں نے بریانی، کباب اور زیتون کا تازی سالاد بنایا ہے۔"

عمران جو ابھی تک اپنی سوچوں میں گم تھا، ان سب کی باتوں اور کھانے کی خوشبو سے چونک کر باہر آیا۔

ویسے چیئر مین آل پاکشیا باورچی ایسوسی ایشن جناب محترم پاشا سلیمان یہ تازی سالاد کیا ہوتا ہے بھلا۔؟

صاحب۔۔۔۔ وہی ہوتا ہے جس کو آپ تازہ سلاد سمجھ کے کھاتے ہیں۔

صفدر اور جوزف دونوں نے اسے ہنستے ہوئے کہا، " کیسا گزرا دن عمران؟ آج کچھ مزے کا کھانا بھی مل رہا ہے "!

یا نہیں ہوا ہی کھائیں گے آج۔؟

عمران مسکرا کر بولا، "سلیمان بھائی، تم نے تو میرے دل کا حال جان لیا۔

"اور پھر وہ سب بیٹھ گئے، ہنسی مذاق کرتے ہوئے کھانے کا لطف اٹھانے لگے۔

آج وہ دن تھا جب عمران نے محسوس کیا کہ اس کے دوست اور اس کی زندگی میں کچھ اور بھی اہم چیزیں ہیں جن پر توجہ دینی چاہیے،

اور اس کا دل پہلی بار تھوڑا سا کھلنے لگا تھا۔

اچانک سلیمان پاشا کے موبائل کی گھنٹی بجی۔ سلیمان نے موبائل پر نظر ڈالی اور فوراً عمران کی طرف دیکھا۔

" یہ سر سلطان کا فون ہے۔ "سلیمان نے بتایا، اور عمران کا چہرہ لمحوں میں سنجیدہ ہو گیا۔ مگر سر سلطان نے تمھارے موبائل پر کیوں کال کی۔؟

کیوں کہ صاحب ٹیلی فون کی تار ٹوٹ چکی ہے مجھے فرصت نہیں ملی ٹھیک کرنے کی۔

عمران نے فوراً فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کال اٹھالی۔

"السلام علیکم عمران بیٹے، "سر سلطان کی آواز آئی، جو ہمیشہ کی طرح بارعب اور پُر اثر تھی۔

"وعلیکم السلام سر، "عمران نے احترام سے جواب دیا، مگر اس کی آواز میں کچھ بے چینی تھی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سر سلطان کا فون کبھی بھی معمولی نہیں ہوتا۔

" عمران بیٹے، ہمیں تمھاری ضرورت ہے۔ تمھیں فوراً میرے آفس آنا ہوگا۔ کچھ اہم معاملات ہیں جن پر بات کرنی ہے۔ " سر سلطان نے کہا۔

عمران نے ایک گہری سانس لی، پھر اس نے سلیمان کی طرف دیکھا، جو اس کی حالت بھانپ چکا تھا۔

" ٹھیک ہے سر، میں آ رہا ہوں۔ "اس نے جواب دیا اور فون کاٹ دیا۔

صفدر اور جوزف جو ابھی تک ہنسی مذاق میں مصروف تھے، عمران کی صورت دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

صفدر نے سوالیہ نظروں سے پوچھا، " سب ٹھیک ہے؟ "

ہاں فلحال تو سب ٹھیک ہے عمران نے ایک لمحے کے لیے گہری سوچ میں غرق ہو کر کہا، "

لگتا ہے کچھ ضروری بات ہے۔ سر سلطان نے بلایا ہے، مجھے آفس جانا پڑے گا۔ "

سلیمان پاشا نے مسکرا کر کہا، " چلیں، صاحب وقت نکال کر کھانا کھاؤ، پھر جاؤ۔ یہ تمہارا دن ہے، اس کا فائدہ اٹھاؤ۔ "

لیکن عمران نے سر ہلایا، " ابھی نہیں۔ سر سلطان کے کام کے معاملے میں وقت ضائع نہیں کر سکتا۔

" پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا، " میرے لیے دعا کرنا، مجھے جلدی واپس آنا ہوگا۔ "

وہ سب عمران کو جاتے ہوئے دیکھنے لگے، اور اس کے جانے کے بعد کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

صفدر نے پھر سلیمان سے کہا، " کیا سمجھتے ہو؟ کچھ بڑا ہونے والا ہے؟ "

سلیمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، " جو بھی ہو، عمران کو اس کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا۔ "

کیونکہ سیکرٹری وزیر خارجہ ایویں کسی کو دعوت پے نہیں بلاتے یہ خاصا اور سخاوت جناب سلیمان کا شیوہ ہے۔

"

نواب سلامت علی خان اپنے وسیع محل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے،
جب ایک دربان آیا اور ایک خفیہ خط ان کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا، "سر، یہ آپ کے لیے آیا ہے۔"
نواب سلامت علی خان نے فوراً خط کو کھولا، کیونکہ یہ ایک ایسا وقت تھا جب خفیہ اطلاعات اور سازشیں معمول بن چکی تھیں۔
خط کا رنگ سیاہ تھا، اور اس کی نوک پر ایک عجیب سا مہر لگا ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ کوئی عام خط نہیں تھا۔
ان کی نظریں تیز ہو گئیں اور دل میں ایک سوال پیدا ہوا کہ آخر یہ خط کہاں سے آیا ہے اور اس میں کیا اہم بات لکھی ہوئی ہے۔
خط پڑھنے کے بعد ان کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ خط میں لکھا تھا:

"نواب سلامت علی خان،
آپ کے علاقے میں ایک بڑی سازش تیار کی جا رہی ہے، جس کا مقصد آپ کی حیثیت کو کمزور کرنا ہے۔
دشمن آپ کے ارد گرد پھیل چکے ہیں اور آپ کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔
آپ کو فوراً اس سازش کو بے نقاب کرنا ہوگا، ورنہ دیر ہو جائے گی۔
آپ کے ساتھ جو شخص ہمیشہ رہا ہے، وہ دراصل دشمن کا ایک اہم ایجنٹ ہے۔
اس بار وہ آپ کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ احتیاط کریں، کیونکہ آپ کی زندگی اور خاندان دونوں خطرے میں ہیں۔

خفیہ ذرائع سے آپ کا خیر مقدم
—ایک گمنام دوست"

خط پڑھتے ہی نواب سلامت علی خان کی آنکھوں میں ایک چمک آ گئی۔
یہ خط ان کے لیے ایک وارننگ تھا، اور اس میں جتنا راز تھا، اتنی ہی پیچیدگیاں بھی چھپی ہوئی تھیں۔
انھوں نے فوراً اپنے قریبی مشیروں کو طلب کیا اور کہا، "یہ ایک سنگین وقت ہے، ہمیں فوراً اس سازش کا کھوج لگانا ہوگا۔"
نواب سلامت علی خان نے ایک بار پھر خط کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا،
اور اس کے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر نکلنے لگے،
یہ سوچتے ہوئے کہ ان کے خاندان اور جان کو بچانے کے لیے اس خفیہ سازش کا مقابلہ کرنا ہی ہوگا، لیکن اس کی حقیقت کو جاننا بھی اتنا ہی ضروری تھا۔"

سر سلطان کی آواز میں ایک غیر معمولی سنجیدگی تھی جب اس نے عمران کو حکم دیا، "عمران بیٹے، تم فوراً مردان پہنچو۔
ریل سے جانا، بہت ضروری کام ہے۔"
عمران نے فوراً سر سلطان کی بات پر توجہ دی مگر دل میں ایک سوال ابھرا۔ "مردان؟ یہ کیا خاص بات ہے جو اتنی جلدی جانا ضروری ہو گیا؟"
لیکن اس نے کسی بھی ردعمل کا اظہار نہیں کیا، کیونکہ سر سلطان کا حکم ہمیشہ اہم ہوتا تھا۔
"جی سر، میں فوراً روانہ ہوتا ہوں۔" عمران نے جواب دیا، اور فون رکھ دیا۔
اس کے اندر ایک نئی بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے سلیمان پاشا کی طرف نظر ڈالی، جو ابھی تک کمرے میں موجود تھا۔
"

کیا ہوا؟" صفدر نے عمران کی حالت دیکھ کر پوچھا۔

عمران نے گہری سانس لی اور کہا، "سر سلطان نے کہا ہے کہ مجھے فوراً مردان پہنچنا ہے۔ ریل سے جانا ہوگا۔

کچھ بہت ضروری کام ہے، اور میں نہیں جانتا کہ وہاں کیا انتظار کر رہا ہے۔"

صفدر نے فوراً اس کی طرف دیکھا اور کہا، "اگر سر سلطان نے کہا ہے، تو یقیناً کچھ سنگین بات ہوگی۔

آپ تیار ہو جاؤ، میں آپکے ساتھ ہوں گا تا کہ کسی بھی صورتحال کا سامنا کر سکے۔"

عمران نے نفی میں سر ہلایا، "نہیں، اس بار مجھے اکیلا جانا ہوگا۔

یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس میں کسی اور کی مدد درکار ہو۔ سر سلطان نے مجھے مکمل طور پر ذمہ داری دی ہے۔"

اس کے بعد، عمران نے سلیمان پاشا کا شکریہ ادا کیا بہترین کھانا پکانے پر اور جلدی سے اپنے سامان کی تیاری شروع کر دی۔

اس کا ذہن مختلف سوچوں میں گم تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ سفر کوئی معمولی سفر نہیں تھا۔

اس کے سامنے ایک نیا چیلنج تھا جس کا سامنا اسے اکیلا کرنا تھا۔

ریل کا سفر شروع ہونے سے پہلے، عمران نے آخری بار اپنے گھر کو دیکھا اور دل میں یہ عزم کیا کہ وہ جو بھی ہو،

وہ اس مشن کو کامیابی سے مکمل کر کے واپس آئے گا۔

عمران کی نظر میں یہ سوال بہت سنگین تھا۔ ملک کے خلاف سازش؟ وہ اس بات کو ابھی تک مکمل طور پر سمجھ نہیں پایا تھا،

لیکن سر سلطان کا حکم اور وہ خفیہ خط جو نواب سلامت علی خان کو ملا تھا،

دونوں نے اسے تشویش میں ڈال دیا تھا۔ اس کے دماغ میں مختلف سوالات گونجنے لگے تھے۔

"ملک کے خلاف آخر کس طرح کی سازش ہو سکتی ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

" کیا یہ کوئی عالمی سطح کی سازش ہے یا اندرونی طور پر کوئی مخصوص گروہ ملکی استحکام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے؟"

اس کا ذہن فوراً مردان کی طرف چلا گیا۔ اگر سر سلطان نے اسے وہاں جانے کا حکم دیا تھا، تو یقیناً کوئی بڑی بات تھی۔

یہ سازش نہ صرف ملک کے امن کو نقصان پہنچانے کی کوشش ہو سکتی تھی، بلکہ اس کے پیچھے کچھ بڑے سیاسی یا غیر ملکی عزائم بھی چھپے ہو سکتے تھے۔

عمران نے اپنے آپ کو اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی، لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس اس وقت اتنی معلومات نہیں تھیں۔

سر سلطان نے کہا تھا کہ وہ خود اس سازش کی حقیقت کو جاننے کے لیے مردان پہنچے، اور اب عمران کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ فوراً اس مشن کو مکمل کرے۔

اس کا ذہن تیز ہو گیا تھا اور اسے یقین تھا کہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا، اس کے پیچھے ایک بڑی طاقت تھی، جسے وہ جلد ہی بے نقاب کرے گا۔

اب عمران کو صرف اپنے مشن پر دھیان دینا تھا، کیونکہ ملک کی تقدیر شاید اس کے ہاتھوں میں تھی۔

ڈوبتا ہوا سورج کیا غروب ہوا یوں لگا جیسے شام کو آگ لگ گئی۔

عمران کی کار جب نواب سلامت علی خان کے حویلی میں داخل ہوئی تو جوزف بولا۔۔۔

دیکھو دیکھو ذرا اس عظیم پرانی حویلی کو تو دیکھو۔

عمران گاڑی سے اترا اس نے گرم اوورکوٹ پہنا ہوا تھا اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکا ہوا تھا۔

باس۔۔۔! آپ بالکل شرلاک ہومز لگ رہے جوزف فخر سے بولا۔

یار جوزف بس اب منہ بند رکھو یہاں نظر رکھنا میں اندر جا رہا ہوں اگر کوئی گڑبڑ ہو تو جوانا کو کال کرنا وہ سنبھال لے گا بعد میں۔

او کے باس۔۔۔

نواب سلامت علی خان کے گھر میں ایک بڑے اور خوبصورت محل جیسی شان تھی،
لیکن اس میں ہر کمرے میں اپنی اپنی کہانیاں چھپی ہوئی تھیں۔
گھر کے اندر نواب صاحب کی بیٹی، بیٹا، ایک بھتیجے) ملازم (اور ایک بوڑھی غصے والی ماں بھی تھی۔
یہ سب نواب سلامت علی خان کی زندگی کا حصہ تھے، اور ہر ایک کا کردار اپنے آپ میں منفرد تھا۔
نواب صاحب کی بیٹی، فاطمہ، ایک ذہین اور خوبصورت لڑکی تھی،
جس کی آنکھوں میں ہمیشہ کچھ راز چھپے ہوتے تھے جیسے وہ کچھ سیکھنا چاہتی ہو۔
وہ اپنے والد کی طرح عقل مند تھی، لیکن اس کی نرم طبیعت اور دلی مہربانی اسے دوسروں سے الگ کرتی تھی۔
نواب صاحب کا بیٹا، زاہد، ایک پُرعزم نوجوان تھا، لیکن اس کی نظریں ہمیشہ بیرونی دنیا کی طرف مرکوز رہتی تھیں۔
وہ اکثر اپنے والد کے فیصلوں سے اختلاف کرتا تھا اور ملک کی سیاست میں اپنی جگہ بنانا چاہتا تھا۔ زاہد کو سیاست سے دلچسپی تھی۔
گھر کا نوکر شیدا، بھتیجے رحمت، فرحت، مالی چیدا جو ایک وفادار ملازم تھا، ہمیشہ خاموش اور اپنی جگہ پر مستعد رہتا تھا۔ و
ہ نواب صاحب کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتا تھا، مگر اس کی زندگی میں ایک خاموش درد تھا جسے وہ کبھی کسی سے نہیں شیئر کرتا تھا۔
نواب سلامت علی خان کی بیوی، زہرہ بیگم، ایک محبت بھرے دل والی خاتون تھیں،
مگر ان کی طبیعت میں ایک نرمی بھی تھی اور سختی بھی تھی۔
وہ ہمیشہ اپنے خاندان کے بارے میں فکرمند رہتی تھیں اور نواب صاحب کے لیے ایک نرم گوشہ رکھتی تھیں،
لیکن کبھی کبھار ان کی نظر میں فیصلے بہت سخت ہو جاتے تھے۔
اور پھر تھی نواب صاحب کی ماں، جو ایک بوڑھی اور غصے والی خاتون تھیں۔
ان کی آنکھوں میں زمانے کی تھکن اور زندگی کے تلخ تجربات کی جھلک نظر آتی تھی۔
وہ ہمیشہ سب کو اپنی نظر سے دیکھتی تھیں اور ان کا گہرا تعلق اپنے ماضی سے تھا۔
ان کی غصے والی طبیعت کسی سے بھی نرم رویہ کی توقع نہیں رکھتی تھی، خاص طور پر جب بات نواب صاحب کے بارے میں آتی تھی۔
وہ ہمیشہ ان کی پرانی روشوں کی حمایت کرتی تھیں، اور انہیں کبھی بھی موجودہ وقت کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہونے دیتی تھیں۔
دادی پرانے روایات کی حامل عورت تھی۔
حویلی میں یہ تمام شخصیات ایک دوسرے کے ساتھ ایک پیچیدہ رشتہ رکھتے تھے،
جس میں محبت، فریب، غصہ، اور عزت کے مختلف رنگ تھے۔
ہر ایک کا کردار اس خاندان کی تقدیر کو متاثر کرتا تھا اور نواب سلامت علی خان کے فیصلوں میں ایک اہم عنصر تھا۔
آج عمران بالکل بھی نہیں پہچانا گیا کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی بیجوڑ لباس کی وجہ سے پہچان لیا جاتا تھا یعنی سیکرٹ سروس والے اسے صرف پہچان لیتے تھے۔
مگر خلاف توقع آج اس باقاعدہ اور عمدہ لباس میں کوئی اسے نہ پہچان سکا۔
حویلی میں ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔
نواب سلامت علی خان کی دعوت پر ان کے دوست اور اہم ساتھی اس محفل میں مدعو تھے،
اور حویلی کا ماحول کسی شاہی دربار کی مانند لگ رہا تھا۔
روشنی سے جڑی ہوئی رنگین لیمپ، خوشبو سے بھرے گلابوں کے ہار،
اور جگہ جگہ لگے ہوئے سونے کے برتنوں نے حویلی کو ایک خواب کی طرح بنا دیا تھا۔

ہر طرف خوشی اور کامیابی کا احساس تھا، جیسے یہ محفل خاص طور پر نواب صاحب کی عزت اور شہرت کو منانے اور منوانے کے لیے ترتیب دی گئی ہو۔
عمران کو دیکھ کر ایک ویٹر میز کی جانب آیا جیسے ہی وہ قریب آیا عمران سے نہایت مودب لہجے میں بولا۔۔

آپ کونسا مشروب لینگے سر۔؟

سردی بہت زیادہ ہے میرے لئے آگ والا مشروب لاو جو میرے اندر آگ لگا دے۔

بہت بہتر جناب میں ابھی آپکے لئے گرم کافی لاتا ہوں۔

کافی نہیں چائے۔۔۔ چائے

غم میں بھری سسکیوں کی ہا? لایا ہو

اہل غم بیٹھوں میں چا? لایا ہو

عمران خلاف توقع سنجیدہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

نواب سلامت علی خان خود بھی اس تقریب کے مرکز میں نگاہوں کا مرکز بنے ہوئے تھے،

اور ان کے چہرے پر ایک خوشی اور سکون کا سا تاثر تھا، جیسے وہ اپنی سیاسی زندگی کی کامیابیوں کا جشن منا رہے ہوں۔

ان کے دوست اور ساتھی، جو ملکی سیاست، تجارت اور پولیس میں اہم حیثیت رکھتے تھے، ان سب کا چہرہ بھی خوشی سے روشن تھا۔

وہ نواب صاحب کے ساتھ اپنے رشتہ اور وفاداری کو ظاہر کرنے کے لیے اس محفل کا حصہ بنے تھے۔

کچھ دیر کے بعد ویٹر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے واپس آیا اس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد عمران چائے کے گھونٹ لیتا ہوا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

اچانک اسکے سامنے بھاری بھرکم ایک معزز سے آدمی کوٹ پتلون پہنے ہوئے آئے اور ٹرے سے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے بولے،

معاف کیجئے گا ویٹر یہ کافی میرے لئے لائے ہیں کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے

انہوں نے ایک غیر ملکی برانڈ کی چاکلیٹ کا ریپر کھولا اور کھانے لگے اور ریپر وہی پھینک دیا۔

معاف کیجئے گا مجھے راجہ طاہر کہتے ہیں۔

آپ سے مل کر خوشی ہوئی راجہ طاہر صاحب لگتا ہے آپکو کافی کیساتھ چاکلیٹ کھانے کی عادت ہے۔

راجہ طاہر صاحب مسکراتے ہوئے ہاں بس کچھ ایسا ہی سمجھ لیں۔

نواب صاحب کی بیوی، زہرہ بیگم، محفل میں نرم اور دلکش انداز میں شریک ہو رہی تھیں،

اپنے شوہر کی کامیابیوں کو سراہتے ہوئے اور مہمانوں کے ساتھ ادب سے پیش آ کر محفل کو سلیقے سے چلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

نواب صاحب کی بیٹی فاطمہ، اپنی خوبصورتی اور نزاکت کیوجہ سے محفل کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی،

جبکہ ان کا بیٹا زاہد اپنے دوستوں کے ساتھ کچھ الگ ہی محفل میں مگن تھا، جہاں وہ ملکی مسائل پر بات چیت کر رہا تھا۔

اس تقریب میں ایک خاص بات یہ تھی کہ نواب صاحب کی بوڑھی ماں،

جو ہمیشہ غصے والی اور ریزرو اپنے آپ میں رہتی تھیں، محفل سے الگ ایک کونے میں بیٹھی تھیں۔

وہ خاموشی سے اپنے ماضی کے بارے میں سوچ رہی تھیں، اور کبھی کبھار ان کی نگاہیں نواب صاحب پر پڑتیں،

جیسے وہ ان کے فیصلوں کی جانچ کر رہی ہوں۔ ان کی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی جو ان کے تجربات اور تلخ یادوں کا غماز تھی۔

ویٹر دادی کے پاس آتا ہے مادام آپ کچھ پینا پسند کریں گی۔؟

کیا کہا کم بخت کہی کے مجھے انگریجی میں غالب دیتا ہے۔؟

ارے نہیں دادی بلکہ وہ احترام سے پوچھ رہا تھا کہ آپ کیا پینا پسند کرے گی فاطمہ دادی کو سمجھاتے ہوئے۔

اچھا اچھا اس کو کہو مجھے بادام کا شربت بنوا کے دے مگر برف ہرگز نا ڈالیو۔۔

تقریب کے دوران نواب صاحب کے دوستوں اور ساتھیوں کے درمیان مختلف باتوں پر گفتگو ہو رہی تھی۔

کچھ لوگ نواب صاحب کے ساتھ مل کر ان کے علاقے کی ترقی کے بارے میں بات کر رہے تھے،

کچھ ملکی سیاست پر تبادلہ خیال کر رہے تھے، اور کچھ محض تفریح کے طور پر محفل کا حصہ بنے ہوئے تھے۔

لیکن اس محفل میں ایک چیز خاص تھی۔

ہر کسی کے دل میں یہ سوال تھا کہ کیا یہ تقریب صرف ایک رسمی ملاقات ہے،

یا اس میں کسی بڑی تبدیلی یا کسی پارٹی سے اتحاد کے بارے میں بتایا جائے گا۔؟

نواب سلامت علی خان، جو ہمیشہ اپنی حکمت عملی اور سیاست میں چالاک رہتے تھے،

آج بھی اپنی خاموشی اور پُراعتماد شخصیت سے سب پر چھائے ہوئے تھے۔

ان کی نظریں کسی خاص راز کی طرف اشارہ کر رہی تھیں،

اور یہ سوال سب کے دل میں تھا کہ آیا یہ محفل صرف خوشی کا دن ہے، یا پھر اس میں کچھ اور بھی چھپایا گیا ہے؟

نواب سلامت علی خان کے حویلی میں شامل کئی دوست اور ساتھی تھے،

لیکن ان میں سے کچھ ایسے تھے جنہیں نواب صاحب اور ان کے قریبی لوگ مشکوک سمجھتے تھے۔

یہ افراد نہ صرف سیاسی حلقوں میں متنازعہ تھے، بلکہ ان کی شخصیت اور پس منظر بھی سوالات پیدا کرتے تھے۔

ان میں ایک حسین علی خان صاحب تھے: حسین علی خان،

نواب صاحب کے ایک دیرینہ دوست تھے، لیکن ان کی پُراسرار شخصیت اور اکثر نواب صاحب سے متضاد رائے انہیں مشکوک بناتی تھی۔

حسین علی خان کی سیاست میں دلچسپی صرف ذاتی

فائدے تک محدود تھی۔ اس کی زبان پر ہمیشہ خوشامد ہوتی تھی، لیکن دل میں بھی اس کی نیت ہمیشہ صاف نہیں تھی۔ اس کی پرانی تاریخ یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ کبھی بھی نواب صاحب کے دشمنوں سے تعلقات استوار کرنے میں ہچکچاتا نہیں تھا۔ بلکہ ہمیشہ نواب صاحب کے دشمنوں سے تعلقات استوار کرتے تھے۔

دوسرے علی رضا صاحب تھے: علی رضا ایک کامیاب تاجر تھا اور نواب صاحب کا پرانا ساتھی تھا، لیکن اس کے کاروباری تعلقات اور مختلف تاجروں کے ساتھ پوشیدہ روابط اسے مشکوک بناتے تھے۔ بعض اوقات وہ نواب صاحب کے سامنے اپنے مالی معاملات کی وضاحت دینے میں گریز کرتا تھا، اور اس کے کاروباری معاملات میں اکثر کچھ غیر واضح پہلو ہوتے تھے۔ نواب صاحب نے کئی بار اس کے رویے پر نظر رکھی تھی، مگر علی رضا کا چہرہ دوطرفہ تھا ہمیشہ ایک نیا چالاک طریقہ پیش کرتا تھا۔ سامنے اور پیچھے اور ہوتے تھے۔

تیسرے شمس الدین صاحب تھے: شمس الدین ایک سابق پولیس افسر تھا،

جو نواب صاحب کے ساتھ ملک کی سرحدوں کے تحفظ کی ذمہ داریوں میں شریک تھا۔

لیکن اس کے بعد سے اس کی وفاداری پر سوالات اُٹھنے لگے تھے۔

اس کی پرانی دفاعی زندگی میں کچھ ایسے راز چھپے ہوئے تھے جن کا تعلق مختلف محاذوں اور مشکوک سرگرمیوں سے تھا۔

نواب صاحب کو شبہ تھا کہ شمس الدین نے کچھ ایسے روابط بنا رکھے ہیں جو ان کی سیاسی زندگی کے مفاد میں نہیں ہیں،

اور یہ روابط ممکنہ طور پر ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر سکتے ہیں۔

چوتھے کامران شاہ صاحب تھے: کامران شاہ ایک مقامی جاگیردار، نواب صاحب کی محفل میں اکثر شامل ہوتے تھے

مگر اس کے انداز اور رویے میں ہمیشہ ایک غمگینی اور دوری ہوتی تھی۔
اس کی سیاسی سرگرمیاں اور غیر ضروری طور پر دوسروں کے ساتھ روابط ہمیشہ قابل اعتراض رہے تھے۔
اس کے پاس وہ معلومات تھیں جو ایک طویل عرصے سے خاموشی سے اکٹھی کی جا رہی تھیں،
اور نواب صاحب کو یقین تھا کہ کامران شاہ کچھ اہم راز چھپائے ہوئے تھا۔ اکثر اوقات رشوت بھی لیتے تھے۔
یہ چار دوست نواب صاحب کے حلقے میں مشکوک سمجھے جاتے تھے۔
ان کی سیاست، کاروباری سرگرمیاں اور تعلقات ہمیشہ ایسی گہرائیوں میں چھپے ہوئے تھے جو نواب صاحب کے ذہن میں سوالات پیدا کرتے تھے۔
لیکن چونکہ یہ لوگ نواب صاحب کے قریبی دوست اور ساتھی تھے،
اس لیے نواب صاحب ان کے بارے میں براہ راست کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے،
بلکہ وہ ہمیشہ کسی وقت پر ان کے کردار کا پرکھنے کے لیے محتاط رہتے تھے۔
مگر اسکے ساتھ ساتھ نواب سلامت علی خان کے ایک مخلص دوست بھی تھے،
جنہوں نے ہمیشہ ان کی ہر مشکل میں ان کا ساتھ دیا۔
ان کا نام راجہ طاہر تھا، اور وہ نواب صاحب کے بچپن کے دوست تھے۔
راجہ طاہر کا کردار نہ صرف وفاداری اور ایمانداری کا نمونہ تھا، بلکہ وہ نواب صاحب کے لیے ایک حقیقی ساتھی کی حیثیت رکھتے تھے۔
راجہ طاہر ایک معتبر اور با اثر شخص تھے، جنہیں لوگوں میں عزت اور اعتبار حاصل تھا۔
وہ ایک پرانے اور معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کی سیاست میں ہمیشہ اصولوں کی اہمیت رہی تھی۔
ان کے دل میں ہمیشہ نواب سلامت علی خان کے لیے احترام تھا، اور وہ ہمیشہ ان کے مشوروں اور فیصلوں کی حمایت کرتے تھے۔
جب بھی نواب صاحب کو سیاسی یا ذاتی زندگی میں کوئی مشکل پیش آتی، راجہ طاہر ان کے لیے ایک سچے دوست کی طرح موجود ہوتے تھے۔
ان کا تعلق صرف نواب صاحب سے نہیں تھا، بلکہ وہ ایک وسیع حلقے میں اثر و رسوخ رکھتے تھے، جو کہ نواب صاحب کو مختلف معاملات میں مدد فراہم کرتے تھے۔
ان کا کردار اتنا مضبوط اور صاف تھا کہ نواب صاحب ہمیشہ ان پر اعتماد کرتے تھے۔
راجہ طاہر کا ایک اور اہم پہلو یہ تھا کہ وہ ہمیشہ نواب صاحب کی مشکلات میں مدد کے لیے خفیہ طور پر کام کرتے تھے،
بغیر کسی دکھاوے کے۔ ان کی وفاداری اور دل سے محبت نواب صاحب کے لیے قیمتی تھی، اور ان کا مشورہ ہمیشہ درست اور پر اعتماد ہوتا تھا۔
وہ اس بات کو جانتے تھے کہ ملک کی سیاست اور اقتدار میں چھپی ہوئی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے نواب صاحب کو مضبوط اور وفادار دوستوں کی ضرورت ہے،
اور وہ ہمیشہ اس میں ان کی مدد کرتے تھے۔
مگر راجہ طاہر صاحب نواب سلامت علی خان صاحب سے یہ پرانی حویلی بھی خریدنا چاہتے تھے
اور انکے لئے نیا جدید طرز پر شاندار بنگلہ تعمیر کرنا چاہتے تھے اپنے خرچے پر۔
مگر نواب سلامت علی خان صاحب ہمیشہ انکار کر دیتے تھے۔
یہ وفاداری اور ایمانداری کے قائل راجہ طاہر نواب صاحب کے لیے نہ صرف ایک مددگار تھے بلکہ ان کی زندگی کا ایک اہم حصہ تھے، جو ہر مشکل وقت میں ان کے ساتھ کھڑے رہتے تھے۔ اس کے باوجود کہ نواب صاحب کے ارد گرد مشکوک اور خود غرض لوگ تھے،
راجہ طاہر ایک وہ شخص تھے جن پر ہمیشہ نواب صاحب کی نظر اعتماد کی نگاہ ہوتی تھی۔
نواب سلامت علی خان کے ایک اور مخلص اور قابل اعتماد ساتھی نواب صفدر ملک تھے، جو ان کے خاندانی منشی کے طور پر کام کرتے تھے۔
نواب صفدر ملک کا کردار بہت سنجیدہ تھا، اور وہ ہمیشہ اپنے کام کو بڑی ایمانداری اور لگن سے کرتے تھے۔
ان کی طبیعت میں ایک خاص قسم کی سختی تھی، اور وہ ہر کام کو مکمل توجہ اور محنت کے ساتھ انجام دیتے تھے۔

نواب سلامت علی خان کی حویلی اور زمینوں کے مالی معاملات اور انتظامی امور کی نگرانی کا تمام بوجھ نواب صفدر ملک پر تھا،
اور وہ اس ذمہ داری کو بخوبی نبھاتے تھے۔
اگرچہ نواب صفدر ملک انتہائی سنجیدہ اور ضمیر کے پکے انسان تھے،
مگر ان کی شخصیت میں ایک خاص غصہ بھی چھپا رہتا تھا جو زیادہ تر ان کے کام میں ہونے والی بے ترتیبیاں یا غیر ذمہ داری کی وجہ سے بڑھتا رہتا تھا۔
ان کے لیے ہر چیز میں ترتیب اور ڈسپلن کی اہمیت تھی، اور وہ کسی بھی صورت میں اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔
اس لیے ان کے آس پاس کے لوگ اکثر انہیں سخت اور کڑک مزاج سمجھتے تھے۔
تقریب میں لوگ آ جا رہے تھے اچانک سامنے آنے والے شخص نے عمران کو نہیں دیکھا اور نہ دونوں میں پانی پت کی لڑائی ہو جاتی تھی
کیونکہ عمران سے ٹکرانے والا شخص کوئی اور نہیں بلکہ محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ کیپٹن فیاض تھے۔
معاف کرنا محترم جیسے ہی فیاض نے عمران کو دیکھا۔۔۔
ارے تم۔۔۔۔
اوہ! ذہے نصیب سوپر فیاض تم یہاں کیسے؟
وہی تو میں پوچھ رہا ہوں عمران کے بچے تمھارا تو نام کوئی خیرات میں بھی نہیں لیتا تم اس تقریب میں کیسے۔؟
پہلی بات یہ کہ عمران کے کوئی بچے نہیں دوسری بات یہ کہ میں کوئی خیراتی فقیر نہیں تمھاری طرح جو لوگوں سے مدد مانگتا پھیرے۔
تیسری بات یہ کہ میری مرضی میں نے اب لوگوں کی شادیاں کروانی شروع کر دی ہے وہ طلاقوں والا بزنس کامیاب نہیں ہوا۔
عمران وہاں سے تھوڑا دور جانے لگا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ جوزف کو کال ملائی رہا تھا۔
دوسری طرف سے جواب ملنے پر اس نے کہا۔
باس۔۔۔! میں ابھی آپکو بتانے والا تھا مگر کیپٹن فیاض ابھی ابھی سامنے سے گزرے۔
اچھی بات ہے دوبارہ ایسی غلطی نہ ہو۔
اور عمران فون کال کاٹ دیتا ہے۔
زاہد علی خان، جو نواب صاحب کا ایک نیک اور وفادار بیٹا تھا، وہ ایک طرف دوستوں کیساتھ سیاست پر بات چیت کر رہے تھے۔
جناب منشی جی کہاں جا رہے ہو؟ عمران نے چھیڑتے ہوئے کہا۔
مگر کبھی کبھار اس کی شرارتیں اور چھیڑ چھاڑ نواب صفدر ملک کو تنگ کر دیتی تھیں۔
عمران کی طبیعت میں چنچل پن اور مذاق کرنے کی عادت تو پہلے سے ہی موجود تھی،
اور وہ اکثر نواب صفدر ملک کے ساتھ ان کی سنجیدگی پر مذاق کرتا رہتا تھا۔
کبھی کبھی وہ ان سے جان بوجھ کر سنجیدہ سوالات کرتا، یا انہیں ایسی باتوں میں الجھا دیتا جو ان کے مزاج کے خلاف ہوتی۔
عمران کی یہ چھیڑ چھاڑ صفدر ملک کو اچھا خاصا غصہ دلاتی، کیونکہ وہ ہر وقت محنت اور توجہ سے کام کرنے کے عادی انسان تھے۔
ایک دن، جب نواب صفدر ملک ایک اہم دستاویز کی تیاری میں مصروف تھے، عمران نے ان کے پاس جا کر کہا،
" آپ تو کبھی ہنستے نہیں، صفدر ملک صاحب! آپ کا کام کیا صرف سنجیدہ ہی رہنا ہے؟
" عمران کی ہنسی اور چھیڑ چھاڑ پر نواب صفدر کا چہرہ فوراً سنجیدہ ہو گیا، اور انہوں نے گہری سانس لے کر کہا، " عمران بیٹے، یہ کام کوئی مذاق نہیں ہے۔
اگر تمہیں ہنسی مذاق کرنا ہے تو تمہارے لیے کسی اور کا وقت بہتر ہوگا۔"

ایک بات بتاوں منشی جی؟

ہاں بتاو مگر جلدی۔

منشی جی آپکا جو یہ نام ہے نہ اس سے مجھے ملک صفدر حیات یاد آتے ہیں۔

اب یہ صاحب کون ہے۔؟

جاسوسی کہانیاں لکھنے والے بہترین لھکیک ہے۔

مگر میرا اس سے کیسے موازنہ؟ برخوردار۔۔۔

یہ بات عمران کو تھوڑی عجیب لگی، لیکن وہ جانتا تھا کہ صفدر ملک کی شخصیت میں جو سنجیدگی اور سختی تھی،

وہ ان کی محنت اور ذمہ داری کی علامت تھی۔ اس کے باوجود، عمران کبھی کبھار صفدر ملک کو مزید تنگ کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی چٹکلہ چھوڑ دیتے تھے،

جس سے صفدر ملک کے چہرے پر غصے کی لکیریں ابھرتی۔ لیکن وہ خاموش رہتے۔

لیکن نواب صفدر ملک کے غصہ اور سنجیدگی کے پیچھے ایک حقیقت چھپی تھی۔

وہ نواب سلامت علی خان کے لیے اپنے کام میں اتنے مخلص تھے کہ انہوں نے کبھی بھی ان کی عزت و وقار کو کسی بھی صورت میں نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔

اور یہی بات نواب سلامت علی خان کو اچھی طرح سے معلوم تھی کہ نواب صفدر ملک ان کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہیں۔

تقریب ختم ہونے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

عمران نے اپنا اوورکوٹ اتار کر کمرے میں لگی ہک سے لٹکا دیا۔

صرف اوورکوٹ ہی نہیں بلکہ کوٹ اور فلٹ ہیٹ بھی اتار کر رکھ دی۔

عمران نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر دی اور بال الجھا کر ہیٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔

وہ بدستور سوچ رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی تو ہے جو یہ خطوط اس حویلی میں پہنچا رہا ہے۔

نواب سلامت علی خان کے گھر میں ایک کے بعد ایک بار پھر سے خفیہ طریقے سے خطوط آ رہے تھے

اور نہایت ہی خفیہ طریقہ تھا جس کے ذریعے خطرات لاحق تھے اور دھمکیاں دی جاتی تھیں۔

یہ خفیہ خطوط تھے جو نواب صاحب کے خاندان کو ڈرا کر ان کے حوصلے کو توڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔

یہ خطوط کسی پوشیدہ ہاتھ کی جانب سے آتے تھے، اور ان میں ہمیشہ ایسی زبان استعمال کی جاتی تھی جو بہت گہری دھمکیوں اور سازشوں کا اشارہ دیتی تھی۔

ان خفیہ خطوط میں اکثر نواب صاحب کی طاقتور حکمت عملیوں اور فیصلوں کا تذکرہ ہوتا تھا، اور انہیں خبردار کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے اقدامات میں احتیاط کریں۔

ان خطوط کے بارے میں عجیب بات یہ تھی کہ یہ کبھی بھی کسی نام یا دستخط کے ساتھ نہیں آتے تھے۔

صرف ایک مخصوص علامت یا ایک جعلی خودساختہ مہر ہوتی تھی جو ان کے اصل بھیجنے والے کی شناخت کو ظاہر نہیں کرتی تھی۔

یہ خطوط نہ صرف نواب صاحب کو، بلکہ ان کے خاندان کو بھی خوفزدہ کر دیتے تھے۔

عمران تمام کڑیوں کو آپس میں ملا رہا تھا اور اپنے لیپ ٹاپ پر تقریب کی ویڈیو بار بار دیکھ رہا تھا۔

ایک دن نواب صفدر ملک نے نواب صاحب کو ایک اور خفیہ خط لا کر دیا جو گھر کے اندر کہیں چھپایا گیا تھا۔

اس خط میں ایک ایسی دھمکی تھی جو نواب صاحب کے لیے بے حد تشویش کا باعث بنی۔ خط میں لکھا تھا:

تمہاری حویلی کو زمین کے نیچے چھپے خطرے سے بچنے کا وقت کم ہو چکا ہے۔

تمہارے خاندان کے راز ہمارے ہاتھ میں ہیں،
جلد سے جلد یہ حویلی خالی کر و جاو یہاں سے اور اگر تم نے ہمارے راستے میں رکاوٹ ڈالی، تو اس کا نتیجہ تمہیں معلوم ہو جائے گا۔"
یہ دھمکی نواب صاحب کو کسی بڑے راز کا اشارہ دے رہی تھی،
اور اس سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ سازش یا دھمکیاں صرف ان کی حویلی کے خلاف نہیں تھیں بلکہ ان کے خاندان کو بھی ختم کرنے کی کوشش ہو سکتی تھی۔
نواب صاحب نے اس خط کے بارے میں فوراً نواب صفدر ملک اور اپنے جگری دوست راجہ طاہر سے مشورہ کیا،
اور انہوں نے اس بات پر غور کرنا شروع کیا کہ یہ خفیہ دھمکیاں کس کی طرف سے آ رہی ہیں اور اس کے پیچھے کون سی طاقت ہو سکتی ہے۔
راجہ طاہر صاحب نے نواب صاحب کو پولیس کو بتانے سے منع کیا کہ اس سے معاملات خراب ہو جائینگے۔
عمران، جو اس وقت اپنے کاموں میں مصروف تھا، ان خطوط کے بارے میں جان کر مزید محتاط ہو گیا۔
اسے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ ان خطوط اور اس دھمکیوں کے راز کے علاوہ اس خاندان کی ماضی میں ایک اور پیچیدہ سازش چھپی ہو سکتی ہے،
اور اس خفیہ دھمکیوں کا تعلق شاید اس راز سے جڑا ہو۔
نواب سلامت علی خان اور ان کے خاندان کے لیے یہ ایک سنگین لمحہ تھا،
کیونکہ انہیں اب نہ صرف سیاسی محاذ پر لڑنا تھا بلکہ اپنے خاندان کے تحفظ کے لیے ایک خفیہ دشمن سے بھی مقابلہ کرنا تھا۔
اس خفیہ خطوط کے بارے میں، دھمکیوں کے راز، اور اب یہ دوبارہ سے دھمکیاں سب ایک بڑے معمہ میں بدل چکے تھے،
جس کا حل تلاش کرنا وقت کا سب سے بڑا چیلنج بن گیا تھا۔
رات کافی گہری ہو چکی تھی عمران رات کے دو بجے پیاس کی شدت سے نیند سے بیدار ہو کر باورچی خانے میں آتا ہے۔
وہ جب پانی پینے کے لیے پانی کی بوتل تلاش کرنے لگتا ہے، تو اچانک اس کی نظر نیچے صحن میں ٹہلتے ہوئے منشی جی پر پڑتی ہے۔
منشی جی کی حالت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی پریشان سے لگ رہے تھے۔
ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ ذہنی طور پر کسی بات پر غور کر رہے ہو۔
عمران اس منظر کو دیکھ کر فوراً ان کے پاس گئے اور مذاق کرنے لگے، "منشی جی، اتنی رات گئے کہاں جا رہے ہیں؟ کہیں نیند کی کمی تو نہیں ہو گئی؟"
منشی جی ان کی باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے کہتے ہیں، "بیٹا، یہ کوئی مذاق کی بات نہیں۔
میرے دماغ میں کچھ پریشان کن خیالات ہیں۔
"عمران مسکرا کر مزید پوچھنے لگتا ہے اور سوالات کرتا ہے، "کیا خیال ہے منشی جی؟
خواب میں کوئی مسئلہ آ گیا ہے یا پھر آپکا موبائل فون رات کو اپنے آپ ہی بند ہو گیا ہے؟"
اس پر منشی جی نے ہنستے ہوئے کہا، "خوابوں میں بھی عمران، تمہاری چالبازی اور چھیڑ چھاڑ نے میری رات کو مزید پریشان کر دیا ہے۔"
منشی جی رات کو یونہی نہیں ٹہلتے میں نے سنا ہے چڑیلیں مردوں پر عاشق ہو جاتی ہیں۔
اور منشی جی آپ تو ہے ہی کماو پت۔
لاحول ولا قوۃ منشی جی واپس جانے لگے۔
عمران جب واپس جانے لگتا ہے اور جیسے ہی وہ کمرے کی طرف رخ کرتا ہے، اچانک اس کو اپنے موبائل کی گھنٹی کی آواز سنائی دیتی ہے۔
اس کی نظر موبائل پر پڑتی ہے، اور وہ کال اٹھاتا ہے۔
دوسری طرف جوزف کی آواز سنائی دیتی ہے: "باس، سنو، ایک بات سنو، حویلی میں کوئی چپکے سے گھسا ہے، درختوں کے درمیان چھپ کر آیا ہے۔"
ابھی ابھی میں نے دیکھا ہے۔

عمران فوراً سنجیدہ ہوجاتا ہے اور بات سن کر چونک کر جواب دیتا ہے، " کیا؟ تمہارا کیا مطلب ہے؟ یہ کب ہوا؟"
جوزف اپنی بات مزید واضح انداز میں کرتا ہے، "ابھی کچھ ہی دیر پہلے، درختوں کے پیچھے کوئی شخص نظر آیا، اس نے کوشش کی کہ کسی کو دکھائی نہ دے۔
ہم نے فوراً تفتیش شروع کر دی ہے، مگر آپکو بھی احتیاط کرنی ہوگی۔"
عمران کے دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے، کیونکہ ایسی سچویشن میں اسے بہت مزہ آتا تھا جب وہ مجرموں کو رنگے ہاتھوں پکڑنے لگتا ہے
وہ فوراً واپس جاکر منشی جی کو اطلاع دیتا ہے، اور دونوں مل کر حویلی کے گرد چکر لگانے لگتے ہیں تاکہ کسی مشکوک شخص کا پتہ چل سکے۔
عمران اور منشی جی حویلی کے گرد چکر لگاتے ہوئے درختوں کی جانب جاتے ہیں۔
اچانک ایک مشکوک شخص کو درختوں کے پیچھے چھپتے ہوئے دیکھ لیتے ہیں۔
عمران فوراً اس کی طرف بڑھتا ہے، لیکن جیسے ہی مشکوک آدمی عمران کو دیکھتا ہے،
وہ تیزی سے درختوں کی طرف دوڑ جاتا ہے اور گھاس کے اندر چھپنے کی کوشش کرتا ہے۔
عمران دوڑ کر اس کے پیچھے جاتا ہے، مگر وہ شخص اتنی تیز رفتاری سے بھاگتا ہے کہ عمران کا پیچھا کرتا ہے جیسے ہی پکڑنے لگتا ہے تو منشی جی اسے ٹکرا جاتے ہیں۔
جس سے وہ نقاب پوش غائب ہوجاتا ہے اور بھاگ جاتا ہے۔
دوسری طرف، منشی جی جو تھوڑی دیر سے عمران کے پیچھے تھے،
غصے میں آ کر اس کی طرف بڑھے اور اچانک عمران کو روک لیا،
"دیکھو، منشی جی اگر آپ مجھ سے نہ ٹکراتے تو میں اسے پکڑ لیتا۔
اس وقت ہمیں بھاگنے کے بجائے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ آپکو فوری طور پر ایسا کچھ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"
عمران سختی سے منشی جی کو منع کرتے ہیں کہ اس واقعے کا ذکر کسی سے نہ کریں میں خود دیکھ لونگا سب کچھ۔
منشی جی عمران کے اس رویے سے کچھ حیران ہوتا ہے اور ان سے کہتا ہے،
"لیکن منشی جی، وہ آدمی مشکوک تھا، ہم اسے کیسے چھوڑ سکتے تھے؟"
اب بھاگ گیا تو بھاگ گیا۔
عمران نے گہری سانس لی اور کہا، "ہاں، لیکن یہ وقت شور مچانے کا نہیں ہے،
ہمیں پہلے اس کی حقیقت کا پتا لگانا ہوگا۔ چپ چاپ واپس چلیں، اور کچھ حکمت سے کام لیں۔"
منشی جی کو تھوڑی مایوسی ہوئی، لیکن عمران کی بات سمجھتے ہوئے وہ دونوں واپس حویلی کی طرف چل پڑے۔

کمرہ انتہائی تاریک تھا، بس ایک مدھم سی روشنی کی ہلکی سی جھرمٹ تھی جو ایک کونے سے آرہی تھی۔
چھت پر دراڑیں اور دیواروں پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، جو یہ ظاہر کرتی تھیں کہ یہ کمرہ طویل عرصے سے استعمال نہیں ہوا تھا۔
لیکن یہاں کا ماحول بے حد سنگین اور تناؤ سے بھرپور تھا۔
آرمی چیف آف سٹاف کافرستان شاہ گل، جو کہ ایک سرد دل اور انتہائی ذہین، سفاک اور چالاک شخص تھا، میز پر بیٹھا ہوا تھا۔
اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، جیسے وہ اپنے منصوبے میں کسی بڑی کامیابی کے قریب ہو۔
اس کے سامنے ایک بڑا نقشہ تھا، جس میں مختلف جگہوں کے نشان اور علامات تھیں۔
وہ ہر لمحے ان نقشوں کو گھوم گھوم کر دیکھ رہا تھا، جیسے کسی آخری جزیئے کا سراغ تلاش کر رہا ہو۔
کرنل کالی داس، جو اس مشن کا تجربہ کار اور وفادار سپاہی تھا، چیف آف آرمی سٹاف شاہ گل کے سامنے کھڑا تھا۔

اس کے چہرے پر بے شمار سوالات اور فکروں کا ایک وسیع سمندر تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک عزم کی جھلک بھی نظر آ رہی تھی۔
وہ نہایت تحمل سے شاہ گل کی ہدایات سن رہا تھا اور اسے جواب دینے کے لیے تیار تھا۔
شاہ گل کی گرج دار آواز نے کمرے میں گونجتی ہوئی سکوت کو توڑ دیا۔
" کرنل، ہمارے مشن کا کیا حال ہے؟
کیا وہ نقشہ برآمد ہو چکا ہے؟" اس کی آواز میں ایک تیزی سی تھی، اور اسے کرنل کالی داس سے کوئی ٹھوس جواب ملنے کی توقع تھی۔
کرنل کالی داس نے فوراً جواب دیا، " نہیں، سر۔ نقشہ ابھی تک برآمد نہیں ہو سکا۔
ہم نے تمام ممکنہ جگہوں پر چھان بین کی ہے، لیکن ہمیں ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ملی۔
" اس کے چہرے پر تھوڑی سی پریشانی اور مایوسی تھی، مگر وہ خود کو مضبوط رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
آپ تو جانتے ہیں سر دیش سے باہر کام کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے اور پھر یہ تو ہمارا پڑوسی ملک پاکشیا ہے۔
شاہ گل نے ایک لمحے کے لیے اپنی نظر کرنل کالی داس کی آنکھوں میں ڈالی،
اور پھر ایک سرد مسکراہٹ کے ساتھ کہا، " تمہیں جلدی کرنی ہوگی، کرنل۔
اگر ہم نے یہ نقشہ نہ پایا تو یہ ہمارے پورے مشن کو خطرے میں ڈال دے گا۔ وقت کم ہے۔"
اور ہاں میں جانتا ہوں پاکشیا کی سیکرٹ سروس اس وقت ہمارے لئے یمراج سے کم نہیں ہے۔
یہ سیکرٹ سروس جنات کیطرح ہوتے ہیں ہر جگہ ہوتے ہیں مگر نظر نہیں آتے۔
ایسے جملے اور شاہ گل کی آواز میں چھپے ہوئے دباؤ کا اثر کرنل کالی داس پر واضح تھا۔
وہ جانتا تھا کہ شاہ گل صرف باتیں نہیں کر رہا، بلکہ وہ ایک انسان کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کی حالت میں تھا۔
اس مشن کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس بات پر تھا کہ وہ نقشہ کہاں تھا اور وہ اسے کس طرح حاصل کرتے ہیں۔
کمرے میں چھائی ہوئی خاموشی میں دونوں کی آنکھوں میں ایک عزم کی لہر تھی۔
دونوں جانتے تھے کہ جو کچھ بھی ہو، اس مشن کا انجام دنیا کو بدلنے کا اہل ہو سکتا تھا۔

کمرہ میں دوبارہ خاموشی چھا گئی، اور شاہ گل نے کرنل کالی داس کی طرف انتہائی سنجیدگی سے دیکھا۔
اس کے ماتھے پر بے شمار لکیریں نمایاں تھیں، جیسے وہ کسی شدید ذہنی دباؤ میں ہو۔
وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہا، پھر اس نے اپنی آواز میں ایک سنجیدگی بھری سرگوشی کے ساتھ کہا:
" اگر ہمارے اس مشن کے بارے میں پاکشیا سیکرٹ سروس کو پتہ چلا، تو پھر ہم برباد ہو جائیں گے۔
ان کا ایک خطرناک جاسوس عمران بہت ہی چالاکی سے کام کرتا ہے۔"
سر کون ہے یہ عمران نامی مسخرہ۔؟
کرنل کالی داس کی نظریں شاہ گل کی طرف مرکوز ہو گئیں، اور اس کی آنکھوں میں فکرمندی کی ایک اور لہر دوڑ گئی۔
عمران، جس کا نام شاہ گل نے لیا تھا، ایک ایسی شخصیت تھی جس کا ذکر کسی بھی راز دار آپریشن میں سننا،
ایک الگ قسم کی دہشت پھیلاتا تھا۔ عمران ایک سلیقے سے چلنے والا، خاموش، اور انتہائی ذہین جاسوس ہے۔
بظاہر مسخرہ دیکھنے والا مگر اس کی قابلیت یہ ہے کہ وہ کسی بھی راز کو دریافت کرنے میں ماہر ہے اور دشمن کے اندر گھس کر معلومات نکالنے میں کبھی ناکام نہیں ہوتا ہے۔
شاہ گل نے ایک لمحے کے لیے سر جھکایا، جیسے اس کا دماغ کسی حکمت عملی پر کام کر رہا ہو،

پھراس نے دوبارہ کرنل کالی داس سے کہا، "ہمیں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا۔عمران جیسے لوگوں کے سامنے کوئی بھی معمولی سی غلطی ہمیں تباہ کرسکتی ہے۔"
کرنل کالی داس نے سر ہلایا، اوراس کے چہرے پر تناؤ واضح تھا۔
وہ جانتا تھا کہ اگر عمران کو ایک بھی سراغ مل گیا ہمارے بارے میں، تو ان کا پورا مشن ختم ہوسکتا تھا۔
دشمن دیش کی ایجنسی، پاکشیا سیکرٹ سروس، نہ صرف مضبوط تھی
بلکہ ان کے پاس جدید ترین ٹیکنالوجی اور ذرائع بھی ہیں جن سے وہ کسی بھی خفیہ آپریشن کا سراغ لگا سکتے تھے۔
"ہمیں اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ ہماری تمام حرکات مکمل طور پر پوشیدہ رہیں۔
" کرنل کالی داس نے کہا، "اگر عمران نے ہمارے کسی بھی منصوبے کی معمولی سی بھی مہک اور خوشبو پائی، تو وہ فوراً اس کی تفتیش کرے گا
اور پھر ہم کچھ بھی نہیں کر پائیں گے۔"
شاہ گل نے سر ہلا کر کہا، "بالکل ایسا ہی ہے، ہم نے ہر قدم پر احتیاط برتنا ہے۔
ہمیں ان کے طریقوں کو سمجھنا ہوگا اور پھر اسی طرح سے آگے بڑھنا ہوگا، جیسے عمران خود چال چل رہا ہو۔"
کمرے میں ایک بار پھر سے خاموشی چھا گئی، جانتے ہوئے کہ اگر انہیں ایک لمحے کی بھی غفلت ہوئی، تو ان کا سارا منصوبہ تباہ ہوسکتا تھا۔

عمران، وہ خطرناک اور بدنام زمانہ مشہور ایک ہوٹل کی بھیڑ بھاڑ میں بیٹھا ہوا تھا،
جس کی دیواروں پر پڑے ہوئے پردے تیز ہوا کے جھونکے سے ہل رہے تھے اور ہوٹل کے دھندلے شیشے اس کی شخصیت کی طرح مدھم اور پراسرار تھے۔
یہ ہوٹل شہر کے سب سے بدنام علاقوں میں سے ایک تھا، جہاں جرائم پیشہ افراد اور بدمعاشوں کا آنا جانا رہتا تھا۔
ایک طرف سیگریٹ کی دھوئیں میں لپٹی ہوئی گفتگو اور دوسری طرف بار میں شراب کے گلاسوں کی ٹن ٹن کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
میزوں پر بیٹھے ہوئے لوفر اور آوارہ تاش اور جوا کھیل رہے تھے۔
عمران کا چہرہ ہمیشہ کی طرح سپاٹ اور سرد تھا، جیسے وہ دنیا سے بے نیاز ہو، لیکن آج کچھ مختلف سا تھا۔
وہ اخبار پڑھ رہا تھا، جس میں عالمی حالات اور کچھ مخصوص معلومات پر تبصرے لکھے ہوئے تھے،
مگر اچانک اس کی آنکھیں اچانک ایک خاص شخص پر جم گئیں برف کیطرح۔
وہ شخص، جس کی موجودگی نے عمران کے اعصاب کو بیدار کیا، وہاں ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔
عمران کی نظریں اس پر مرکوز ہوگئیں۔وہ جانتا تھا کہ یہ شخصیت بے حد اہم تھی، لیکن اس کا یہاں آنا ایک مسئلہ بن چکا تھا۔
یہ وہ شخص تھا جس کا اس نے کئی بار پیچھا کیا تھا، اور وہ شخص بدمعاشوں اور خطرناک افراد کے ساتھ بیٹھا تھا۔
آخر یہ شخص یہاں کیا کرنے آیا ہے؟
یہ جگہ اسکے بیٹھنے کے لائق تو نہیں عمران انہی سوچوں میں گم تھا۔
ہوٹل میں موجود باقی تمام افراد جانتے تھے کہ یہاں کسی بھی وقت سب کچھ ہوسکتا ہے۔
ایک طرف بدمعاشوں کی ہنسی مذاق اور چسکے سے چلنے والی چھچھاتی شراب بھری شیشے کے گلاسوں کی آواز تھی، دوسری طرف وہ شخص جو کسی راز سے شائد واقف تھا،
اس کا یہاں ہونا ایک سنگین معاملہ تھا۔
عمران نے اپنی نظریں اس پر برقرار رکھی، مگر خود سر جھکا کر اسے دیکھتا رہا تا کہ وہ متوجہ نہ ہونے پائے۔
عمران کے دماغ میں کئی سوالات اور منصوبے گھومنے لگے۔
"اگر یہ شخص یہاں ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ بڑا ہونے والا ہے۔" عمران نے اپنی نشست پر بیٹھے ہوئے یہ سوچا۔

ہوٹل میں سارے بدمعاش موجود تھے، اوران کی باتوں میں ایک خاص قسم کا ارتکاز تھا، جیسے وہ کسی بڑے منصوبے پر گفتگو کر رہے ہوں۔

عمران کی نظر میں وہ سب خطرناک لوگ تھے، مگر اسے ان بدمعاشوں کی کوئی فکر نہ تھی بلکہ اس مخصوص شخص کی موجودگی نے پورے ماحول کو مزید پیچیدہ اور کشیدہ بنا دیا تھا۔ اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر یہ بات فوراً حل نہ کی گئی، تو یہ ان کے پورے مشن کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔

اس لئے اس نے خود کو چھپا کے رکھا کہ اس شخص کی نظر اس پر نہ پڑنے پائے۔

عمران کو اپنی پوزیشن زیادہ مضبوط کرنی تھی۔ وہ آرام سے اپنی کرسی پر بیٹھا رہا،

لیکن اس کے دماغ میں ایک طوفان برپا تھا۔ وہ بدمعاشوں اور اس اہم شخصیت کے درمیان جال بچھانے کی کوشش کر رہا تھا تا کہ وہ اپنی اگلی چال چل سکے۔

ویٹر ایک کپ چائے لانا عمران اشارے سے آرڈر دینے لگتا ہے۔

جوزف کا جسم تناؤ سے بھرا ہوا تھا، اور اس کی آنکھوں میں ایک سرد چمک تھی۔

وہ جانتا تھا کہ یہاں، اس ہوٹل میں، جہاں بدمعاشوں کا راج تھا، کسی قسم کی غفلت اس کی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔

جوزف کا پورا جسم جنگ کے لیے تیار تھا اور اس کا دماغ ایک ہی مقصد پر مرکوز تھا—بدلہ۔

جوزف کو یہ سارے بدمعاش معمولی چوہے نظر آ رہے تھے۔

جیسے ہی اس نے ہوٹل کے اندر قدم رکھا، اس کی نظر ایک مخصوص بدمعاش پر پڑی، جو میز کے کونے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے اردگرد باقی بدمعاش بھی موجود تھے۔ جوزف کے دماغ میں ایک لمحے کے لیے ایک طوفان آیا۔ وہ شخص جو اس وقت میز پر بیٹھا تھا،

اس نے جوزف کے قریبی دوست کو ایک سال پہلے بری طرح نقصان پہنچایا تھا، اور اس کا بدلہ جوزف کی زندگی کا مقصد بن چکا تھا۔

اچھا تو یہ چھچھوندر یہاں چھپا بیٹھا ہے اسے تو میں افریقہ کے جنگلات میں بھی ڈھونڈھ چکا ہوں۔

آج ہاتھ لگ گیا۔

جوزف کے قدم مضبوط تھے اور وہ سیدھا اس شخص کی طرف بڑھا۔

بدمعاشوں نے اسے آنے دیا، لیکن جوزف کی نظریں اب صرف ایک جگہ پر مرکوز تھیں۔

ایک لمحے میں اس نے اپنے دشمن کو قابو کیا اور ایک زبردست دھکا دے کر اُسے زمین پر گرا دیا۔

اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں، اور بدمعاش کی درد بھرے آواز نے پورے کمرے کو ہلا دیا۔

یہ لڑائی شروع ہو چکی تھی۔

ہوٹل کا ماحول فوراً بدل گیا۔ پہلے جہاں صرف بدمعاشوں کی چہچہے اور ہنسی سنائی دیتی تھی، اب وہاں شور مچ چکا تھا۔

جوزف نے مزید سخت حملے کیے، اور اس کی مہارت اور طاقت سے بدمعاشوں کو شکست دینے کا عمل شروع ہو گیا۔

ہر وار مضبوط، تیز تر اور فیصلہ کن تھا۔ اس کی ہر حرکت نے ان کے لیے مزید مشکلات پیدا کیں۔

عمران فوراً کرسی سے اٹھا اسے معلوم تھا کہ جوزف یہاں آرام سے نہیں بیٹھے گا۔

ایک بدمعاش خوف کے عالم میں بولا، "یہ کیا کر رہا ہے؟"! لیکن جوزف کا جواب صرف اس کی آنکھوں میں دکھائی دے رہا تھا، جو سرد اور بے رحمانہ تھا۔

جوزف کی چالاکی پھرتی اور طاقت نے بدمعاشوں کو یکے بعد دیگرے زمین پر گرا دیا۔

اس نے ایک بدمعاش کو ایک زبردست لات مار کر دور پھینک دیا، جبکہ دوسرے کی گردن اپنے ہاتھوں میں جکڑ کر اس کا وار روک دیا۔

وہ جانتا تھا کہ یہاں صرف طاقت ہی نہیں، بلکہ حکمت اور مہارت کی ضرورت ہے۔

چھچھوندر تمھیں تو میں ڈھونڈھ رہا تھا سالے۔

میرے دوست کو مار کے تم نے سوچا کہ تم خود بچ جاؤ گے؟

وہ دوست جو مفت میں مجھے چائے پلاتا تھا اپنے ہوٹل پے تم نے اسے ہاتھ لگا کر سنگین غلطی کی تھی۔

"تم سب کو سیکھنا ہوگا کہ میرے راستے میں آنا کیا معنی رکھتا ہے۔" جوزف کی آواز میں سختی نمایاں تھی اور چیلنج بھرے لہجے میں کہا۔

اس کی یہ بات بدمعاشوں کے دلوں میں خوف کا طوفان برپا کر گئی۔

عمران نے جوزف کو رکنے کا اشارہ کیا اور وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

چند لمحوں میں، پورا کمرہ خاموش ہو گیا۔ جوزف کی سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی،

اور بدمعاشوں کے جسموں پر اس کی طاقت کے نشان ثبت ہو چکے تھے۔

لڑائی ختم ہو چکی تھی، لیکن جوزف کی آنکھوں میں اب بھی ایک خوابیدہ غصہ اور بدلہ لینے کا جذبہ جاگ رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ یہ جنگ ابھی مکمل نہیں ہوئی، اور اس کی منزل ابھی دور تھی۔

چل نکل چوہے شکر کر آج تیری قسمت اچھی ہے۔

اب ہوٹل میں ایک نیا سکوت تھا، جہاں جوزف کے قدموں کی گونج اور اس کی تسکین آمیز مسکراہٹ سب بدمعاشوں پر گہرا اثر چھوڑ گئی تھی۔

نواب صاحب کے آفس میں واقع بڑے ہال میں ایک اہم میٹنگ جاری تھی،

جس میں نواب صاحب کے بزنس پارٹنر اور جگری دوست، راجہ طاہر، بھی شریک تھے۔

میٹنگ کی فضا کافی سنجیدہ تھی اور دونوں جانب کے لوگ غور سے بات چیت میں مگن تھے۔

راجہ طاہر کی موجودگی میٹنگ میں خاص اہمیت رکھتی تھی،

کیونکہ وہ نواب صاحب کے ساتھ نہ صرف کاروباری معاملات بلکہ ذاتی تعلقات میں بھی گہرے روابط رکھتے تھے۔

نواب صاحب کے چہرے پر معمول کی سنجیدگی تھی، مگر جب راجہ طاہر کی باتوں میں کوئی نیا زاویہ آتا، تو ان کی نظریں شوق سے چمک اُٹھتیں۔

ہال کے کونے میں ایک پروجیکٹر لگا تھا، جو میٹنگ میں زیر بحث امور کو پردے پر دکھا رہا تھا،

اور اس کے گرد بیٹھے لوگ تفصیل سے بات چیت کر رہے تھے۔

راجہ طاہر کی باتوں میں ایک خاص حکمت اور فہم و فراست نمایاں تھی، جو نواب صاحب کو اکثر متاثر کرتی رہتی تھی۔

سب مہمانوں کے سامنے مشروب پیش کیا گیا اور ہر کسی نے اپنی باری پر گلاس اٹھا کر آرام سے پی لیا۔

نواب صاحب نے بھی اپنا گلاس اٹھایا اور مشروب پینے لگے۔

جیسے ہی وہ گلاس کے دہانے کو اپنے ہونٹوں تک لے گئے، اچانک عمران ہال میں تیزی سے داخل ہوئے۔

ان کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا اور ان کی نظریں بے چین دکھائی دے رہی تھیں۔

سب لوگ اس کی طرف حیران حیران دیکھنے لگے۔

پھر ایک لمحے میں ایسا کچھ ہوا کہ عمران نے تیزی سے قدم بڑھائے اور نواب صاحب کے گلاس کو ہاتھ سے دور پھینک دیا۔

گلاس نیچے گرا اور ٹوٹ کر زمین پر بکھر گیا۔ سب کی نظریں اس منظر پر جم گئیں،

جب کہ نواب صاحب کے چہرے پر یکدم غصہ اور حیرانی کے آثار نمایاں تھے۔

عمران کی حرکت کچھ خاص تھی، اور وہ خود بھی فکر مند نظر آ رہے تھے۔

یہ کیا بدتمیزی ہے سیٹھ رشید جو اس وقت میٹنگ میں موجود تھے بولنے لگے۔

کوئی بدتمیزی نہیں بلکہ یہ صحیح حرکت تھی۔

نواب صاحب کو تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہئے بلکہ میرے پیر دھو دھو کے پینے چاہئے۔

کون ہے یہ بدتمیز لڑ کا راجہ طاہر غصے سے غرانے لگے۔

اس کے فوراً بعد، کسی نے کہا کہ گلاس میں جو مشروب تھا وہ زہریلا تھا۔

ہال میں ایک سنسنی سی پھیل گئی، اور سب نے ایک دوسرے کی طرف پریشان کن انداز میں دیکھا۔

نواب صاحب کی حالت پر نظر رکھی گئی کہ آیا وہ محفوظ ہیں یا نہیں۔ عمران کی حرکت کی حقیقت جاننا ضروری تھا،

اور سب کے ذہن میں سوالات اُبھرنے لگے کہ آیا یہ ایک حادثہ تھا یا پھر کچھ اور۔

جناب آپ کون ہے۔؟

میں بتاتا ہوں چچاوں، ماماووں، خالووں سارے بڑھے لوگوں۔

یہ ہے سوپر فیاض۔۔۔ میرا مطلب ہے محکمہ سراغ رسانی ڈیپارٹمنٹ کے سپرنٹنڈنٹ کیپٹن فیاض جو اس وقت بمعہ اہل وعیال یعنی پولیس والوں کے یہاں آ چکے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد، پولیس اہلکار اور کیپٹن فیاض کے ساتھ افسران ہال میں داخل ہوئے۔

ان کی آمد سے فضا میں اور بھی سنسنی پھیل گئی۔

کیپٹن فیاض ایک تجربہ کار افسر تھے، اور ان کی موجودگی کا مطلب تھا کہ معاملہ سنگین تھا۔

پولیس اہلکار فوراً ہال کے اردگرد پھیل گئے اور تمام موجود افراد کو پوچھ گچھ کے لیے جمع کر لیا۔

کیپٹن فیاض نے فوری طور پر صورتحال کا جائزہ لیا اور عمران کو الگ کر کے اس سے سوالات شروع کر دیے۔ ان کی آنکھوں میں بے شمار سوالات تھے،

کم بخت تم یہاں بھی مجھ سے پہلے ہی پہنچ گئے؟

تو کیا کرتا یہاں آنے کے لئے تمھارے دعوت نامے کا انتظار کرتا اور پھر بعد میں نواب صاحب کی لاش کو تم دفن کرتے مگر جواب تو مجھے دینا پڑتا تھا سر سلطان کو۔

اچھا اچھا بس ٹھیک ہے۔

اور وہ عمران کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

مجھے پتہ چلا ہے۔

کون نظر رکھے ہوئے ہیں سوپر فیاض۔؟

وہ گمنام مجرم اور کون۔

ارے اس گمنام مجرم کی یہ مجال کہ پرنس آف ڈھمپ پے نظر رکھیں۔ بلکہ اس کلمو ہے پر تو میری ہی نظر کرم جمی ہوئی تھی۔

وہ مجرم یہی موجود ہے سوپر دور جانے کی ضرورت نہیں۔

نواب صاحب کی حالت پر مسلسل نظر رکھی جا رہی تھی، اور ڈاکٹروں کی ٹیم بھی موقع پر پہنچی تھی تا کہ ان کی صحت کا معائنہ کیا جا سکے۔

"یہ زہر کہاں سے آیا؟" کیپٹن فیاض کی آواز میں سختی تھی۔

عمران کی طرف دیکھتے ہوئے، انہوں نے مزید کہا، " کیا تمہیں نہیں پتہ تھا کہ تمہارے اس عمل سے ایک معصوم کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے؟"

میری حرکت سے کیا ہوگا بھلا؟

بلکہ میں نے تو اچھا ہی کیا ہے نواب صاحب کیساتھ۔

پولیس اہلکاروں نے ہال کا معائنہ کیا اور مشروب کے شیشے کے ٹکڑے اکٹھے کر کے فوراً لیب بھیجنے کا فیصلہ کیا تا کہ زہر کی نوعیت کا پتہ چل سکے۔
پورا ہال اب ایک تفتیشی منظر میں بدل چکا تھا، اور سب کی نظریں عمران پر مرکوز تھیں، جو کچھ عجیب وغریب انداز میں کیپٹن فیاض کی جانب دیکھ رہا تھا۔
کیپٹن فیاض نے صورتحال کو فوراً قابو میں کرنے کی کوشش کی۔
انہوں نے پولیس اہلکاروں کو حکم دیا کہ تمام موجود افراد کو دوسرے کمرے میں بھیجا جائے تا کہ تفتیش کا عمل آسانی سے جاری رکھا جا سکے۔
ایک ایک کر کے، تمام لوگ ہال سے باہر نکلنے لگے اور فیاض کی ہدایات کے مطابق ایک دوسرے کمرے میں جمع ہو گئے۔
مگر جن افراد پر شک تھا، فیاض نے انہیں اسی کمرے میں روکے رکھا۔
عمران، جو ابھی تک تذبذب میں تھا، کیپٹن فیاض کی نظر سے بچ نہ سکا۔
وہ فوراً اس کے قریب پہنچے اور اسے دوسرے کمرے میں جانے کی اجازت نہ دی۔
اسی طرح، نواب صاحب کے کچھ قریبی ساتھیوں پر بھی شک تھا، لہذا فیاض نے انہیں بھی الگ کر کے روک لیا۔
جیسے ہی راجہ طاہر جانے لگے تو عمران نے کہا جناب آپ نہیں جا سکتے یہاں سے۔
"میں چاہتا ہوں کہ یہاں کوئی بھی ایسا نہ ہو جس پر شک کیا جا رہا ہو۔ سب کے بیانات کا بغور جائزہ لیا جائے گا۔
" کیپٹن فیاض کی آواز میں سختی تھی اور ان کا انداز صاف طور پر یہ بتا رہا تھا کہ وہ اس معاملے میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کریں گے۔
پولیس نے کمرے میں موجود افراد کی تفتیش شروع کر دی،
اور ہر کسی سے ان کے بیانات لیے جانے لگے۔ فیاض کی توجہ اب عمران اور اس کے قریب کے افراد پر مرکوز تھی،
کیونکہ ان کے رویے اور حالات سے لگ رہا تھا کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ تمام ممکنہ شواہد کا تجزیہ کیا جا رہا تھا تا کہ اصل حقیقت سامنے آ سکے۔
راجہ طاہر کی حالت کچھ بے چین تھی اور وہ مسلسل کیپٹن فیاض کے سوالات سے گھبرا رہا تھا۔
اچانک، اس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کیپٹن فیاض کو ایک چونکا دینے والی بات بتا دی۔
میں جانتا ہوں کہ قاتل کون ہے۔؟
کون ہے جناب بتائیں؟
نواب سلامت علی خان صاحب کے دوست کامران شاہ۔
مگر جناب کامران شاہ تو اس میٹنگ میں شریک بھی نہیں۔
آپکا اندازہ غلط ہے راجہ طاہر صاحب فیاض نے ٹکا سا جواب دیا۔
عمران کافی دیر سے میز پر پڑے گلدان سے کھیل رہا تھا۔
پھر تیزی سے بلند آواز میں بولا
"وہ... وہ زہر ڈالنے والا کوئی اور نہیں، بلکہ نواب صاحب کا جگری دوست راجہ طاہر ہے"!
عمران نے تیز لہجے میں کہا، جیسے کہ اس نے کسی بڑی حقیقت کا انکشاف کیا ہو۔
راجہ طاہر صاحب غصے سے لڑکھڑا سے گئے۔
کیپٹن فیاض اور پولیس اہلکاروں کی نظریں عمران پر مرکوز ہو گئیں۔
فیاض کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا اور اس نے فوراً عمران سے تفصیل سے بات کرنے کا اشارہ کیا۔
"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟" فیاض نے پوچھا، "تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے؟"
عمران نے گہری سانس لی اور کہا، ثبوت کی کیا ضرورت ہے بھلا" مجھے یقین ہے۔

راجہ طاہر ہی وہ شخص ہے جس نے نواب صاحب کے مشروب میں زہر ملایا۔
وہ نواب صاحب کی کامیابی اور اثر ورسوخ سے حسد کرتا ہے، اور اس کا مقصد انہیں نقصان پہنچانا تھا۔"
کیا میں نے آج تک کوئی غلط بات کی ہے سوپر فیاض۔؟ انتہائی احمقانہ انداز سے کہتے ہوئے۔
کیپٹن فیاض نے فوراً پولیس اہلکاروں کو حکم دیا کہ راجہ طاہر کو فوری طور پر گرفتار کیا جائے اور اس سے پوچھ گچھ کی جائے۔
فیاض کی آنکھوں میں شدید غصہ اور تشویش تھی، کیونکہ اگر عمران کی بات درست ثابت ہوتی تو یہ معاملہ اور بھی پیچیدہ ہو جاتا۔
"عمران، تمہاری بات سن کر ہم راجہ طاہر کی جانب فوری طور پر قدم بڑھائیں گے۔
لیکن اگر تمہاری معلومات غلط ثابت ہوئیں تو تمہاری پوزیشن بھی خطرے میں ہو سکتی ہے،" کیپٹن فیاض نے خبردار کیا۔
اب پولیس اہلکار راجہ طاہر کی تلاش میں تھے، راجہ طاہر کمرے سے نکل چکے تھے۔
اور سب کی نظریں اس جانب مرکوز ہو گئی تھیں کہ آیا عمران کی بات سچ ہے یا نہیں۔
جب پولیس اہلکار راجہ طاہر کو تلاش کرتے ہوئے اس کے پیچھے پہنچے، تو وہ اچانک ہال کے دروازے سے باہر آیا، اس کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔
اس کا چہرہ غصے سے لال تھا اور آنکھوں میں خوف اور غصے کا ایک عجیب امتزاج تھا۔
اس کے ذہن میں شاید یہ تھا کہ وہ بچ نکلے گا، یا پھر جو کچھ وہ کر چکا تھا اس کی ذمہ داری خود لے لے گا۔
کیپٹن فیاض نے فوراً ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا۔ "راجہ طاہر، پستول نیچے رکھو"! فیاض نے آواز دی، لیکن راجہ طاہر کی آنکھوں میں بے قابو سا جنون تھا۔
"تم کیا سمجھتے ہو، فیاض؟ تم مجھے دھوکہ دے سکتے ہو؟"! راجہ طاہر نے غصے میں آ کر پستول کو ہلایا اور پولیس اہلکاروں کی طرف اشارہ کیا۔ "اگر تم نے میرے راستے میں آنے کی کوشش کی، تو تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا"!
پولیس نے طاہر کی حرکت کو بھانپتے ہوئے فوراً اس کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کی، مگر کیپٹن فیاض نے انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔
وہ جانتے تھے کہ اس وقت ہر قدم اہم تھا۔
"راجہ طاہر، تمہارے پاس اب صرف دو راستے ہیں، یا تو تم خود کو قانون کے حوالے کر دو، یا پھر یہ تمہاری آخری لڑائی ہوگی،" فیاض نے آہستہ لیکن پختہ لہجے میں کہا۔
راجہ طاہر کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کا دماغ تیز رفتار سوچوں میں بھٹک رہا تھا۔
اس کی حالت بے قابو تھی، اور وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھا۔
مگر کیپٹن فیاض نے جان لیا تھا کہ اب معاملہ صرف ایک گرفتاری کا نہیں، بلکہ ایک سخت فیصلہ لینے کا تھا۔
اسی لمحے، پولیس کی مزید کمک آ چکی تھی، اور راجہ طاہر کے لیے اس کے سامنے صرف ایک ہی راستہ بچا تھا—
اپنی شکست تسلیم کرنا، یا پھر ایک اور خونریزی کی قیمت چکانا۔
عمران کی نظریں اس پر مرکوز تھیں اور فکرمند تھیں، اور اس نے جب دیکھا کہ راجہ طاہر پستول کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے،
تو اس نے فوراً ایک اور چونکا دینے والا اقدام کیا۔ عمران میز پر پر چڑھا اور سیدھا راجہ طاہر کے اوپر چھلانگ لگا کر اسے گرا دیا۔
پولیس والوں نے فوراً اسے گرفتار کر لیا۔
نواب صاحب غصے سے غضبناک ہو رہے تھے کیا ملا تمھیں میرے مشروب میں زہر ملا کے؟
بتاو راجہ طاہر تم تو میرے جگری دوست تھے۔
یہ سب کیوں کیا؟
میں بتاوں نواب صاحب۔؟ عمران پوچھنے لگا۔

عمران نے سرگوشی کے انداز میں کیپٹن فیاض سے کہا، " کیپٹن، آپ کو وہ نقشہ چاہیے جو نواب سلامت علی خان صاحب کی حویلی کے نیچے دفن ہے۔
وہ نقشہ ایک ملکی راز کا حامل ہے، جو پورے ملک کے لیے اہم ہے۔"
کیپٹن فیاض نے عمران کی باتوں پر یقین نہیں کیا، لیکن اس صورت حال کی شدت اور عمران کے بے چین ہونے کے باوجود،
اس نے فوراً سوال کیا، " کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ وہ نقشہ کہاں دفن ہے؟"
عمران کی نظریں راجہ طاہر پر مرکوز ہوگئیں۔
یہ راجہ طاہر اس نقشے کے بارے میں جانتا ہے۔
اس لئے یہ نواب صاحب سے حویلی خریدنا چاہتا تھا۔ ہر جتن کر کے۔
اس نے آحمقانہ انداز میں کہا، "راجہ طاہر دل میں ایک اور خطرناک منصوبہ چھپائے ہوئے ہیں۔
اس نے وہ نقشہ اپنی حویلی کے نیچے دفن کیا ہے، اور یہ نقشہ کسی قومی راز سے متعلق ہوسکتا ہے جو اس کے ہاتھوں سے بچ کے نکلا ہے۔"
راجہ طاہر کی آنکھوں میں یکدم ایک لمحے کی بے یقینی کی جھلک آئی،
مگر فوراً اس نے اپنے پستول کو مضبوطی سے تھام لیا اور غصے سے بولا، "چپ رہو، عمران! تم نہیں جانتے تم کیا کہہ رہے ہو"!
مگر اس کے چہرے کی لکیریں صاف بتا رہی تھیں کہ اس کے اندر خوف بھی تھا۔
اب تو پستول کو چھوڑ دو میں نے اس سے گولیاں نکال لی ہیں۔
کیپٹن فیاض کی نظریں فوراً راجہ طاہر پر مرکوز ہوگئیں۔ "اگر یہ سچ ہے، تو نواب صاحب آپکی حویلی میں ایک بہت بڑی سازش چھپی ہوئی ہے۔
اور اس کا مطلب ہے کہ راجہ طاہر تم صرف نواب صاحب کی زندگی کو ہی نہیں، بلکہ ملکی امن کو بھی خطرے میں ڈال سکتے ہو۔"
فیاض کی باتوں نے راجہ طاہر کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔ اب وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اس راز کا سامنا کرتا ہے، تو اس کا چھپایا ہوا راز سامنے آجائے گا،
اور اس کی گرفتاری ناگزیر ہو جائے گی۔
پولیس فوراً نواب سلامت علی خان صاحب کی حویلی کی طرف روانہ ہوئی،
اور راجہ طاہر کے لیے یہ لمحہ فیصلہ کن تھا۔
اس کے پاس اب یا تو اپنی شکست تسلیم کرنے کا راستہ تھا، یا پھر اس راز کو چھپانے کے لیے کچھ اور خطرناک قدم اُٹھانے کا۔
عمران کی باتوں نے سب کو ایک نیا جھٹکا دیا۔
اس نے بے چین ہو کر کیپٹن فیاض کو بتایا، "یہ صرف ایک نقشہ نہیں ہے، کیپٹن! اس نقشے میں ایک ایسی راہ چھپی ہوئی ہے
جو ملک کے اندر ایک خفیہ مقام کو ظاہر کرتی ہے، اور راجہ طاہر نے اسے کافرستان کے ہاتھوں بیچنے کا منصوبہ بنایا تھا، ڈالر کے بدلے"!
کیپٹن فیاض کے چہرے پر حیرانی اور غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ یہ بات کسی بھی طرح معمولی بات نہیں تھی۔ ا
یک ملکی راز کو دشمن ملک کو بیچنے کا معاملہ انتہائی سنگین تھا۔
" کافرستان؟"! فیاض نے غصے سے سوال کیا۔ "تو مطلب یہ کہ طاہر نے اپنے ملک کی حفاظت سے زیادہ پیسوں کی لالچ میں ملک دشمنوں کے ساتھ سازش کی؟"
عمران نے سر ہلا کر تصدیق کی۔ "ہاں، وہ نقشہ ایک انتہائی خفیہ راستہ دکھاتا ہے جو کافرستان کے لیے فائدہ مند ہوسکتا تھا۔
اور طاہر نے اس راز کو فروخت کرنے کا عہد کیا تھا، بس کچھ ڈالر کے بدلے۔"
اس نقشے میں کافرستان کے بارڈر کے قریب ایک زیر زمین راہداری بنی ہوئی ہے۔
جس سے زیر زمین بآسانی کافرستان سے پاکیشیا زیر زمین یہاں آسکتے ہیں۔
یہ راہداری 1857 کی جنگ آزادی سے پہلے انگریزوں نے اپنے نقل و حرکت کے لئے بنوائی تھی۔

اوراس کا نقشہ ایک انگریز کرنل نے جاتے وقت اس جگہ دفن کیا تھا جہاں پرنواب صاحب کی حویلی بنی ہوئی ہے۔
راجہ طاہر کے چہرے پراب واضح طور پر خوف اور پچھتاوا تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ اس کی سازش اب بے نقاب ہو چکی ہے اور اس کی گرفتاری قریب ہے۔
وہ پستول کو ہاتھ میں تھامے کھڑا تھا، مگر اس کے اندر ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔
کیپٹن فیاض نے فوراً پولیس کو حکم دیا کہ اس حویلی کی مکمل تلاشی لی جائے اور وہاں دفن کیے گئے نقشے کو فوراً نکال کر تحقیقات کا آغاز کیا جائے۔
فیاض نے راجہ طاہر سے کہا، "یہ تمہارا آخری موقع ہے، راجہ طاہر۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ وہ نقشہ کہاں دفن ہے،
اور اگر تم نے ہمیں اس راستے پر نہیں چلنے دیا، تو تمہارے لیے کوئی بھی راستہ نہیں بچے گا۔"
اور تمھیں اس راز کا کیسے علم ہوا۔؟
راجہ طاہر کے لیے اب صرف ایک ہی راستہ تھا—اپنے کیے کی قیمت چکانا۔
لیکن اس کی تقدیر کا فیصلہ اب ان اہم رازوں پر تھا جنہیں اس نے چھپایا تھا اور جو ملکی سلامتی کے لیے سنگین نتائج کا باعث بن سکتے تھے۔
نواب سلامت علی خان کے لیے یہ انکشاف ایک شدید صدمہ تھا کہ یہ خفیہ خطوط دراصل ان کے اپنے قریبی دوست کی طرف سے آ رہے تھے۔
نواب صاحب کے اندرونی حلقے میں ایک وہی شخص تھا جس پر وہ مکمل اعتماد کرتے تھے، اور وہ شخص حسین علی خان تھا۔
حسین علی خان نواب صاحب کا بچپن کا دوست اور کاروباری شراکت دار تھا،
اور اسے ہمیشہ نواب صاحب کے رازوں اور سیاسی معاملات میں شامل کیا جاتا تھا۔
وہ نواب صاحب کے اہم فیصلوں کے مشیر بھی تھے اور ان کے قریبی رفیق سمجھے جاتے تھے۔
لیکن راجہ طاہر کا خفیہ طور پر ان خطوط کا بھیجنا، نواب صاحب کے لیے ایک سخت دھچکا تھا۔
راجہ طاہر کی وفاداری پر شبہات اُٹھنا، ایک ایسا مرحلہ تھا جس نے نواب صاحب کو گہرے اندیشوں میں مبتلا کر دیا۔
یہ خطوط ان دھمکیوں کی شکل میں آتے تھے جو نواب صاحب اور ان کے خاندان کے لیے ایک شدید خطرے کا اشارہ تھیں۔
راجہ طاہر نے ان خطوط میں ہمیشہ نواب صاحب کو ایک مخصوص زبان میں دھمکایا تھا، تاکہ وہ کسی مخصوص راستے پر چلیں،
اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کے لیے سنگین نتائج سامنے آ سکتے تھے۔
کیا یہ سچ ہے میرے دوست نواب صاحب نے راجہ طاہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔
جب نواب سلامت علی خان نے راجہ طاہر کو اس سلسلے میں بات کرنے کے لیے کہا،
تو سب لوگ حیران رہ گئے جب راجہ طاہر نے ان دھمکیوں کی مکمل تردید کی۔
راجہ طاہر کا کہنا تھا کہ وہ نواب صاحب کی خدمت میں ہمیشہ مخلص رہا ہے، اور وہ ان دھمکیوں کے حوالے سے بالکل بے خبر ہیں۔
تاہم، عمران کی تیز نظروں نے فوراً اس جھوٹ کا پردہ فاش کر دیا۔
وہ جانتے تھے کہ یہ تمام سازش راجہ طاہر کی ہی ہو سکتی ہے، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا تھا کہ یہ خفیہ خطوط کہاں سے آ رہے تھے۔
سوات فیاض راجہ جی جھوٹ بھول رہے ہے اس دن جب یہ نقاب پہن کر حویلی میں گھسے تھے
نقشے کے لئے تو مجھے درختوں کے پاس وہی چاکلیٹ ریپر ملا جو یہ ہمیشہ کھاتے ہیں۔
تو اس میں کیا بات ہے چاکلیٹ تو ساری دنیا کھاتی ہے۔؟ راجہ طاہر نے جواب دیا۔
میرے راجہ بجا دونگا تیرا ڈول با جاوہ کوئی عام چاکلیٹ نہیں جو مردان کے غریب لوگ خرید کر کھا سکے۔
بلکہ اس برانڈ کی چاکلیٹ تو پورے پاکستان میں نہیں ملتی بلکہ سپیشل باہر ملک سے منگوائی جاتی ہے اور اب ہر کوئی تمھاری طرح ارب پتی امیر تو ہوتا نہیں۔

نواب صاحب نے راجہ طاہر سے مزید سوالات کیے، اور جیسے جیسے بات چیت بڑھتی گئی،

راجہ طاہر کی خاموشی اور اسکے گڑ بڑ نے اس کے کردار کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ آخر کار، راجہ طاہر نے اعتراف کر لیا کہ اس نے یہ خطوط خود ہی لکھے تھے،

اور اس کی وجہ کچھ ذاتی مفادات اور نواب صاحب کے فیصلوں سے ناپسندیدہ احساسات تھے۔

وہ چاہتا تھا کہ نواب صاحب اس سے مشورہ کریں اور اس کے ساتھ فیصلہ سازی میں شامل ہوں،

اور اگر وہ اس کی باتوں پر عمل نہ کرتے، تو وہ نواب صاحب کے خاندان کو ایک مشکل میں ڈالنا چاہتا تھا۔

تا کہ نواب صاحب اس کو خود اپنی حویلی فروخت کر دیں۔

یہ انکشاف نواب صاحب کے لیے ایک سنگین لمحہ تھا، کیونکہ یہ ایک غداری کی علامت تھا،

اور یہ غداری اسکے جگری دوست نے کی تھی اور انہیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ اب راجہ طاہر کے خاندان کے ساتھ اپنے تعلقات کا کیا کریں گے۔

کیا وہ اسے معاف کریں گے اور دوبارہ اسے اپنی محفل میں جگہ دیں گے، یا وہ اسے ہمیشہ کے لیے اپنے دشمن کے طور پر دیکھیں گے؟

نواب سلامت علی خان نے اپنی حکمت عملی کو دوبارہ ترتیب دیا اور اپنے قریبی ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اس غداری کا جواب کس طرح دیا جائے۔

راجہ طاہر کو ان کے فیصلوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا، لیکن اس کا اثر نواب صاحب اور ان کے خاندان پر ایک گہرے اور تلخ تاثر کے طور پر باقی رہا۔

عمران کی ھوش مندی اور عقل مندی کیوجہ سے ملک کا اہم راز کافرستان کے ہاتھ لگنے سے محفوظ رہا اور نقشہ سیکرٹ سروس کے حوالے کر دیا گیا۔

کیا پڑھ رہے ہو سلیمان۔؟

صاحب اخبار میں لکھا ہے کہ پاکشیا ملک دشمنوں کے سازش سے بچ نکلا ایک نواب صاحب کے ہاتھوں۔

کیا آپ نواب سلامت علی خان صاحب کو آپ جانتے ہیں۔؟

نہیں تو۔۔۔کون ہے یہ سلامت والامت۔۔۔

جاو میرے لئے گرم گرم چائے لاو۔

ختم شد